پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران

چیئرمین شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اقبالؔ اور عصرِ حاضر کا نظریاتی مُحارَبہ: توضیح و تعبیر

Dr. Shahid Iqbal Kamran

Chairman, Iqbaliat Department,

Allama Iqbal Open University, Islamabad

Ideological Conflicts of Iqbal and Current Era: Explanation and Interpretation

Muslim of the world in general and Pakistani Muslim specifically have been going through a difficult time now a days. Their problems mainly consist of economics related. The scenario has been aroused followed by lake of quality education and short term policies or policy less periods. Since last two decades country is severely affected by a massive wave of terrorism. In such a harsh time people look around for a modern and better idea with the solutions of their problems. In this article it is elaborated that Iqbal's Ideas are capable and modern enough to overcome on current issues.

عصر حاضر میں مسلمانانِ عالم عام طور پر اور مسلمانانِ پاکستان خاص طور پر ایک ہمہ جہت، تند خو اور بے لگام نظریاتی محاربے کا شکار ہیں۔ اس محاربے کا المناک پہلو یہ ہے کہ اس کے وقوع، اس کی حدود اور اس کی اغراض سے وہ دلچسپی، جو فریق ثانی کے طور پر مسلمانوں میں موجود ہونی چاہیے، نظر نہیں آتی۔ جمود، تقلید اور تقدیر کے شکار معاشروں کی بد بخت اور بے سمت فراواں مخلوق کی طرح مسلسل ظلم سہنے میں لذت اور اس لذت کو اپنے مفاخر کا حصہ بنانے کے لیے عقل عیار کا بے محابہ استعمال ہمارا قومی شعار بن گیا ہے۔ آج ہم سب ایک تند خو اور بے لگام دہشت گردی کا شکار ہیں، خوفزدہ ہیں، مظلوم ہیں، ہمیں خود پر ترس تو آتا ہے لیکن رحم نہیں اور یہی وہ نقطہ ہے جہاں ہم اور ہمارے دشمن باہم متفق ہیں۔ ہمارا اجتماعی ضمیر شاید یہ سوچ کر خود کو المناک حوادث کے حوالے کئے ہوئے ہے کہ شاید اس فانی دنیا کے مصائب جھیل کر ہم اس بہشت کے حقدار بن سکیں، جہاں پر محرومیوں کی تلافی کے لیے سارے سامان بہ افراط مہیا ہوں گے۔(1) کیا فرد اور معاشرے کے طور پر ہمارے لیے یہ صورت حال بالکل نئی ہے؟ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں، بیسویں صدی کے اوائل میں بھی منظر کچھ ایسا ہی تھا۔ مسلمان غلام تھے، معاشی طور پر کمزور تھے۔ تعلیم میں اپنے مقابل طبقات سے پیچھے بلکہ بچھڑے ہوئے تھے، ملک کی سیاست نہایت تیزی سے

تبدیل ہو رہی تھی، قدرے پڑھے لکھے طبقے، مغرب کی نظریاتی چکا چوند سے بے طرح متاثر تھے اور خیال کرتے تھے کہ مغرب کی طرح اگر وہ بھی اپنے مذہب کو اپنا نجی معاملہ قرار دے کر قومیت کے مغربی تصورات کو اپنا کر آگے بڑھیں تو تیز رفتار ترقی کر سکتے ہیں اور یہی وہ مقام تھا جب متحدہ قومیت کا عفریت برصغیر کے مسلمانوں کے اجتماعی وجود اور منفرد شناخت کو ہڑپ کرنے کے لیے بالکل تیار بیٹھا تھا۔ ایسے میں اقبال نے اسلام کو مسلمانانِ برصغیر کا حسب اور نسب بنا کر یعنی قومیت کی بنیاد قرار دے کر اُن کے اجتماعی وجود کی تقویت کا سامان کر دیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس قومیت کی بنیاد پر ایک علیحدہ آزاد اور خود مختار ریاست کا تصور پیش کر کے، اس کے لیے مدلل نظریاتی اساس فراہم کر کے، اس کے قیام کے امکان کو قوی تر کر دیا، ہماری اس ریاست (پاکستان) اور ہمارے نظریاتی مسائل کو کسی دوسری قومی ریاست کی مثال پر سمجھ سکنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ایرانی اسلام کی آمد سے پہلے بھی ایرانی تھے۔ مسلمان ہو کر بھی قومی طور پر ایرانی اور مذہبی طور پر مسلمان ہو گئے۔ ترکی کی مثال بھی ایسی ہی ہے، عرب، مسلمان ہو کر بھی عرب رہے۔ یہ صرف پاکستان ہے جہاں یعنی اشتراک عقیدہ کی بنیاد پر ایک قوم پہلے وجود میں آئی اور ملک بعد میں حاصل کیا۔ تو پاکستان بطور ایک ملک اور پاکستانی بطور قوم ایک انفرادیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔

برصغیر میں ایک علیحدہ اور آزاد مسلمان ریاست کا تصور اور تجویز اقبال کی اجتہادی سوچ کا ایک نمایاں مظہر ہے، اُس وقت کے علما، تقلید جن کی تربیت اور جمود جن کا چلن تھا، اس اجتہادی سوچ کو نہ سمجھ سکے اور اس تصور اور تجویز کی مخالفت پر اپنا سارا زورِ بیان صرف اور اپنی جملہ صلاحیتیں وقف کر دیں۔ انھی علما کے وارث آج پاکستان میں اپنی پسند کا اسلامی نظام نافذ کرنے کو بے چین ہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران عامتہ الناس نے ان علما کے سیاسی موقف کو رد کر دیا تھا۔ ملاّ کے پاس آخری حربہ تکفیر کا فتویٰ ہوا کرتا ہے۔ سو وہ بھی استعمال ہوا، لیکن تاریخ کی گرد نے ان تمام فتاویٰ کو محو کر دیا۔ آج سوال اسلام کا نہیں، سوال اسلام کی توضیح و تعبیر کا ہے وہ تعبیر و توضیح جو اقبال کرتے ہیں یا وہ جو سیاسی اور نظریاتی قدامت پن کا شکار روایتی علما؟ آج پاکستان میں یہ سوال ایک محسوس کی جا سکنے والی جنگ کا عنوان بن چکا ہے۔ بعض ریاستی اداروں کی درپردہ سرپرستی سے تقویت حاصل کرنے والے متعدد ''غیر ریاستی'' مسلح گروہ غیر مسلح اور پرامن عامتہ الناس کے خلاف ''جہاد'' کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ پارلیمانی نظام سیاست و ریاست کے خلاف ہیں، وہ جدید تعلیم کے حامی نہیں۔ وہ خواتین کو محض نہایت ذاتی استعمال کی ''شے'' سمجھنے سے زیادہ کوئی مقام دینے پر آمادہ نہیں، خود ان کے مذہبی تفکر کا دائرہ اس قدر تنگ ہے کہ اس سے باہر موجود ہر مسلمان کو وہ کافر خیال کرتے ہیں اور ان کافروں پر خودکش حملے کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے اور اب انتہا تو یہ ہے کہ ''خودکش حملہ آور'' رکھنا بجائے خود ایک طرح کی شان اور رتبے کا عنوان بن گیا ہے۔ کیا ہوا اگر آج پاکستان کے پرامن، عافیت کوش اور صلح جُو دانشور ایسی سوچ، ایسے تصور مذہب اور ایسی بے مہار فرقہ واریت کو پھلتے پھولتے دیکھ کر خاموش ہیں۔ آج سے قریباً پون صدی پہلے بھی ملاّ کا چلن اسی طرح کا تھا اور اس وقت علامہ محمد اقبال نے اس انداز فکر کا نظریاتی سطح پر مقابلہ کیا تھا اور اُس دور کے محاربے میں فتح یاب ہوئے تھے۔

پاکستان میں اس وقت ''نفاذ اسلام'' کی متشدد اور مسلح جدوجہد اپنی جہت، طریقہ کار اور استدلال کے اعتبار سے اس قدر لغو

اور بے بنیاد ہے کہ تاریخ میں اس طرح کی دوسری مثال نظر نہیں آتی، نفاذ اسلام کی اس مبارک جدوجہد میں مصروف کار مسلح گروہ مخالفین کو اعلانیہ قتل کرنا بالکل جائز خیال کرتے ہیں، وہ ہر خودکش حملے، تباہ کن دھماکے اور تاک کر مارنے والی واردات کے بعد میڈیا پر کمال درجے کے فخر و انبساط کے ساتھ واردات کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور ساتھ یہ بھی، کہ وہ مذاکرات کے لیے آمادہ و تیار ہیں، جس کے بعد ریاستی ڈھانچے اور نشر و اشاعت کے سانچے میں موجود ان کے ہم خیال و ہمنوا مذاکرات کی ضرورت و اہمیت پر اپنا زور بیان صرف کرتے رہتے ہیں۔ ان جری بہادروں نے متعدد سیاست دانوں اور اختلاف رائے رکھنے والے علما کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں اور انہی خون آلودہ ہاتھوں سے وہ پاکستان کو ''سبز'' کرنے کی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

معاشرتی، نظریاتی اور ریاستی ساخت کے اندر اس قدر انتشار کی کوئی دوسری مثال سجھائی نہیں دیتی۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ حکمت فرعونی اپنا اثر دکھا چکی ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ''مسلمان ہونا'' اپنے اندر خاص معنی رکھتا تھا، اور رکھتا ہے۔ لیکن اس مذہبی تفکر کے دائرے کی تشکیل جدید کرنے کے عوض، اسے بے حد محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ بے شک آج پاکستان جس طرح کا اور جو بھی کچھ ہے، اقبال کا ایک آزاد، خودمختار اور فلاحی ریاست کا تصور اس پاکستان سے بہت مختلف تھا۔ ریاست پاکستان میں جاری اس نظریاتی مخمصے کو سمجھنے کے لیے مرتب و منظّم غور و فکر کی ضرورت آج، پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ بایں ہمہ عصر حاضر میں اس نظریاتی محاربے کی دو بڑی جہات ہیں:

اوّل: ایک ریاست کے اندر اس کی ہیت اور ترتیب کے اسلامی ہونے کا تصور

دوم: عالمی سطح پر دہشت گردی کی جنگ کا شکار مسلمانوں کی ہمہ پہلو بے توقیری

جہاں تک ریاست کے اسلامی ہونے کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں اقبال کا موقف بڑا واضح ہے۔ وہ پاکستان میں ملائیت یا تھیوکریٹک ریاست کا اجرا نہیں چاہتے۔ اقبال نے علیحدہ اور آزاد مملکت کے قیام کا تصور خطبہ الٰہ آباد (1930) میں پیش کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ معنوی طور پر اقبال کے خطبات تشکیل جدید(**The Reconstruction Of Religious Thoughts In Islam**) کو خطبہ الٰہ آباد کے مطالب کی تمہید خیال کرنا چاہیے۔ اپنے ان معروف خطبات میں اقبال نے فلسفیانہ انداز میں اسلام کی مذہبی فکر یعنی تعبیر دین کی روش کی تشکیل جدید کے کام کا آغاز کیا تھا۔ انہوں نے اپنے ان خطبات میں دیگر کے علاوہ جہاں اسلامی ثقافت اور اس کے متعلقات کو موضوع بنایا ہے وہیں اسلام کی ترکیب میں شامل اصول حرکت یعنی اجتہاد پر بھی سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اجتہاد مطلق کی ضرورت پر زور دیا ہے، انہوں نے اجتہاد مطلق کا حق کسی برگزیدہ فرد یا افراد کی بجائے عامتہ الناس کی منتخب کردہ پارلیمان کے حوالے کرنے کی تجویز پیش کی۔ اقبال نے از راہ احتیاط ایک خاص وقت تک یعنی جب تک اس کی ضرورت باقی رہے، پارلیمان کے اندر رائے لینے کے لیے علما کے ایک بورڈ کے قیام کی تجویز پیش کی تھی۔ لیکن اقبال علماء کی آمریت یا کسی فرد یا ادارے کی محض مذہب کے نام پر فوقیت یا برتری کے قائل نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ برملا کہتے تھے کہ اسلام میں کوئی کلیسا نہیں ہے، جس کے فرامین فرد اور معاشرے کے لیے حکم کا درجہ رکھتے ہوں، وہ مذہب کے روایتی استبدادی تصور اور منصب سے بے زار تھے، اقبال مجوزہ

ریاست کو ایک مثال کے طور پر قائم کرنے کے خواہاں تھے، بلا شبہ اقبال مجوزہ ریاست کو ایک ایسی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے کہ جہاں اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب وتمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے اس سے نہ صرف ان کے صحیح معنی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔(2)

اساسی طور پر اقبال کا یہی مطالبہ خطباتِ تشکیل جدید کی علما اور مذہب کے نام پر سیاست کرنے والے دیگر گروہوں کی مخالفت کا باعث بنا۔ روایتی ملاّ اقبال کو ایک عظیم شاعر تو تسلیم کر لیتا ہے اور بسا اوقات اس کے ولولہ انگیز اشعار کو سیاق سے ہٹ کر استعمال کرنے کا ہنر بھی جانتا ہے لیکن بس ___؟ اس سے زیادہ نہیں۔(3) ملاّ کے اسی غیر منطقی اور جذباتی رویے کی وجہ سے اقبال اتاترک مصطفٰی کمال پاشا کے علما کو عامتہ الناس کی عملی زندگی سے علیحدہ کرنے کے فیصلے کی تحسین کرتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ فقہ اسلام کی رو سے ایک مسلم ریاست کا امیر اس بات کا مجاز ہے کہ بعض شرعی اجازتوں کو منسوخ کر دے بشرطیکہ اس کو یقین ہو جائے کہ یہ ''اجازتیں'' معاشرتی فساد پیدا کرنے کی طرف مائل ہیں۔ اقبال فرقہ واریت کے پیدا کردہ معاشرتی فساد کو ختم کرنے کے لیے علما کے لیے لائسنس حاصل کرنے کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں:

> "According to the law of Islam the Amir of a Muslim state has the power to revoke the "permission" of the law if he is convinced that they tend to cause social corruption. As to the licentiate ulema I would certainly introduce it in Muslim India if I had the power to do so. The inventions of the myth-making mulla is largely due the stupidity of the average Muslim. In excluding him from the religious life of the people the Ataturk has done what would have delighted the heart of an Ibn-i-Taimiyya or a Shah Wali Ullah. There is a tradition of the Holy Prophet reported in the Mishkat to the effect that only the Amir of the Muslim state and the person or persons appointed by him are entitled to preach to the people. (4)

اب دیکھیے ایک طرف اقبال کی یہ رائے اور دوسری طرف ریاست پاکستان کے اندر ملاّ کا کردار، معاشرتی، معاشی اور عسکری رسائی اور اہمیت کس قدر زیادہ ہے اور یقینی طور پر اس کردار کو محدود کرنا بلکہ اسے لائسنس کا پابند بنانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو خدشہ ہے کہ فرقہ وارانہ فرق وامتیاز کا زہر ایک ناواجب خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لے گا۔

بایں ہمہ، عصر حاضر کا اہم ترین نظریاتی محاربہ ایک ریاست کے اندر کی اس ہیت اور ترتیب کے اسلامی ہونے کا تصور اور اس تصور کی تشریح وتوضیح ہے۔ ریاست پاکستان میں اُس ملاّ کو کھلا چھوڑ دیا گیا جسے اقبال منصب پرست مسلمان زعما سے زیادہ ''مضر'' خیال کرتے تھے۔ یہ ملک سیاست دان ملاؤں کے حوالے کر دیا گیا، جو اقبال کی فکر کے کسی پہلو، یا کسی تجویز سے

اتفاق کرنے پر آمادہ و تیار نہیں ہیں۔عصرحاضر میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کو صرف اقبال کے فہم دین اور اس کے اطلاق سے ختم کیا جا سکتا ہے۔اسلام اور فہم اسلام کو تقلید کے حصار میں مقید علماء کے استدلال کے حوالے کرنے کی بجائے، جدید علوم اور احوال کے تقاضوں کی روشنی میں اپنی فہم دین کی تشکیل جدید، اس نظریاتی محاربے کا کلیدی نکتہ ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ:

> " It is high time to show to the people by a careful genetic study of Islamic thought and life what the faith really stands for and how its main ideas and problems have been stifled under the pressure of a hard crust which has grown over the conscience of modern Indian Islam. This crust demands immediate removal so that the conscience of the younger generation may find a free and natural expression." (5)

کیا ہم اس crust کو ختم کر سکتے ہیں، یا اسے فزوں تر کیا گیا ہے۔قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے علماء کی جملہ سیاسی تحریکوں اور نظریاتی کاوشوں کا جائزہ یہ باور کراتا ہے کہ ہندوستانی اسلام پر جے اس خول کو توڑنے کی بجائے مضبوط تر کر دیا گیا۔وہ تمام نفوس قدسیہ، جو خود مختار اسلامی ریاست/ ریاستوں کے قیام کے تصور کو لغو اور بے بنیاد قرار دے کر برصغیر میں متحدہ قومیت کے داعی رہے تھے۔ان کو ترغیب آمیز اجازت دے دی گئی کہ وہ پاکستان میں تقلیدی تصور اسلام کو رائج کریں۔ایسا کیا گیا اور اب بات نظریاتی ریاست کی ساخت کے اندر انتشار تک جا پہنچتی ہے۔کیا یہ نظریاتی ماحول ہمارے پڑھے لکھے نوجوانوں کے ضمیر کی صحیح پرورش میں معاون ہو سکتا ہے۔کیا ہم نے اسے اسلام کے حوالے سے عصرحاضر کے سامنے مجرم بنا کر کھڑا نہیں کر دیا؟ اب بھی وقت ہے کہ ریاست مذہب کے نام پر سیاست کرنے والے سیاسی گروہوں کو حکماً روک دے اور پاکستانیوں کی اجتماعی زندگی کو ان کم علم، نادان لیکن مکار مذہبی رہنماؤں کی ''بولہبی سیاست'' سے محفوظ و مامون کرنے کا اہتمام کرے۔یاد رکھنا چاہیے کہ کلیسا کے بے لچک رویے اور مذہب کو اجتماعی شعور کے خلاف استعمال کرنے کی روش کے باعث مذہب کو ''افیون'' قرار دیا گیا تھا، اگر متشدد اور کم فہم و ناشناس ''ملاّ'' سے اسلام کو آزاد نہ کرایا گیا تو اب کی بار کوئی پولیٹیکل فلاسفر مذہب کو افیون کی بجائے، زہر بھی قرار دے سکتا ہے۔

عصرحاضر کے نظریاتی محاربے کا دوسرا پہلو عالمی سطح پر دہشت گردی کی جنگ کا شکار مسلمانوں کی ہمہ پہلو بے توقیری ہے۔ان مسلمان ممالک میں جہاں کی حکومتیں روایتی طور پر، کسی نہ کسی وجہ یا سہارے کی بنیاد پر امریکی مفادات کو بطریق احسن پورا کرنے سے معذور رہیں، وہاں مصنوعی طریقے سے ''عوامی مزاحمت'' کو تخلیق کیا جاتا ہے۔ان ممالک میں حکومتوں سے ناراض عناصر کو جدید ترین اسلحہ فراہم کر کے مسلح مزاحمت پر آمادہ کیا جاتا ہے۔آغاز، اپنے ٹرینڈ لوگ کرتے ہیں اور پھر بات پھیل کر پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔تیونس، مصر، یمن، لیبیا، بحرین اور اب شام کے واقعات کو کون نظرانداز کر سکتا ہے۔استعمار سفید کی مسلمان دنیا کے لیے اس تازہ حکمت عملی کی ہلاکت خیزیوں کا نشانہ خصوصی طور پر اسلامی دنیا بن رہی

ہے۔ پاکستان تو ہر طرح کے نامناسب و ناموزوں تجربات کی آماجگاہ ہے ہی، لیکن ماضی قریب میں تیونس، یمن، مصر، لیبیا اور اب شام میں مقامی گروہوں کو مسلح و متحارب کر کے جس غارت گری کا کھیل کھیلا جا رہا ہے اسے میں کسی طور ''بہارِ عرب'' تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ یہ کیسی بہارِ عرب ہے جو صرف انہی عرب ملکوں میں اتر رہی ہے جو کسی نہ کسی طور پر امریکہ یا مغرب کے لیے ''آسان' نہ ہوں۔ یہ بہار سعودی عرب، اردن، قطر اور دیگر زیردست عرب ریاستوں کا نصیب کیوں نہیں بن رہی؟ یہ بہار ملوکیت و شہنشاہیت کے خلاف کیوں نہیں ہے۔

جہاں تک اس عالمی دہشت گردی کے اصل محرک مغرب اور امریکہ کا تعلق ہے تو اُن کا ہاتھ صرف علم کی طاقت سے روکا جا سکتا ہے۔ اقبال نے 1902ء میں یہ تصور پیش کیا تھا کہ تمام قومی عروج کی جڑ بچوں کی تعلیم ہے۔(6)۔ آپ بتایئے کہ ہم پاکستان میں بالخصوص اور دیگر اسلامی ممالک بالعموم تعلیم پر کس قدر خرچ کر رہے ہیں؟ 1904ء میں اقبال نے اقوام برصغیر کو جاپان کی طرح صنعتی تعلیم کی طرف توجہ دینے کی صلاح دی تھی، اپنے مضمون قومی زندگی میں اقبال لکھتے ہیں:

> ''جاپانیوں کو دیکھو کس حیرت انگیز سُرعت سے ترقی کر رہے ہیں۔ ابھی تیس چالیس سال کی بات ہے کہ یہ قوم قریباً مُردہ تھی، ۱۸۶۸ء میں جاپان کی پہلی تعلیمی مجلس قائم ہوئی۔ اس سے چار سال بعد یعنی ۱۸۷۲ء میں جاپان کا پہلا تعلیمی قانون شائع کیا گیا اور شہنشاہ جاپان نے اس کی اشاعت کے موقع پر مندرجہ ذیل الفاظ کہے:۔
>
> 'ہمارا مدّعا یہ ہے کہ اب سے ملک جاپان میں تعلیم اس قدر عام ہو کہ ہمارے جزیرے کے کسی گاؤں میں کوئی خاندان جاہل نہ رہے۔'
>
> غرض کہ ۳۶ سال کے قلیل عرصے میں مشرق اقصیٰ کی اس مستعد قوم نے جو مذہبی لحاظ سے ہندوستان کی شاگرد تھی، دنیوی اعتبار سے ممالکِ مغرب کی تقلید کی اور ترقی کر کے وہ جوہر دکھائے کہ آج دنیا کی سب سے زیادہ مہذب اقوام میں شمار ہوتی ہے اور محققین مغرب اس کی رفتار ترقی کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں۔ جاپانیوں کی باریک بین نظر نے اس عظیم الشان انقلاب کی حقیقت کو دیکھ لیا اور وہ راہ اختیار کی جو اُن کی قومی بقاء کے لیے ضروری تھی۔ افراد کے دل و دماغ دفعتاً بدل گئے اور تعلیم و اصلاحِ تمدّن نے قوم کی قوم کو اور اسے کچھ اور بنا دیا اور چونکہ ایشیا کی قوموں میں سے جاپان رموزِ حیات کو سب سے زیادہ سمجھا ہے۔ اس واسطے یہ ملک دنیوی اعتبار سے ہمارے لیے سب سے اچھا نمونہ ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ اس قوم کے فوری تغیر کے اسباب پر غور کریں اور جہاں تک ہمارے ملکی حالات کی رو سے ممکن و مناسب ہو، اس جزیرے کی تقلید سے فائدہ اٹھائیں... اس وقت قومی زندگی کی شرائط میں جو حیرت ناک انقلاب آیا ہے، میری رائے میں اس کی سب سے بڑی خصوصیت صنعت و تجارت ہے۔ ایشیائی قوموں میں سے جاپانیوں نے سب سے پہلے اس تغیرّ کے مفہوم کو سمجھا اور اپنے ملک کی

صنعت کو ترقی دینے میں ایسی سرگرمی سے مصروف ہوئے کہ آج یہ لوگ دنیا کی مہذب اقوام میں شمار ہوتے ہیں۔اس امتیاز کی وجہ یہ نہیں کہ جاپانیوں میں بڑے بڑے فلسفی یا شاعر و ادیب پیدا ہوئے ہیں، بلکہ جاپانی عظمت کا تمام دارومدر جاپانی صنعت پر ہے...اس زمانے میں اگر کسی قوم کی قوت کا اندازہ کرنا مطلوب ہو تو اس قوم کی توپوں اور بندوقوں کا معائنہ نہ کرو بلکہ اس کے کارخانوں میں جاؤ اور دیکھو کہ وہ قوم کہاں تک غیر قوموں کی محتاج ہے اور کہاں تک اپنی ضروریات کو اپنی محنت سے حاصل کرتی ہے۔ان حالات کو مدنظر رکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوستانیوں اور خصوصاً مسلمانوں کو تعلیم کی تمام شاخوں سے زیادہ صنعت کی تعلیم پر زور دینا چاہیے۔واقعات کی رو سے میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جو قوم تعلیم کی اس نہایت ضروری شاخ کی طرف توجہ نہ کرے گی وہ یقیناً ذلیل وخوار ہوتی جائے گی۔یہاں تک کہ صفحۂ ہستی پر اُس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا لیکن افسوس ہے کہ مسلمان بالخصوص اس سے غافل ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنی غفلت کا خمیازہ نہ اٹھائیں۔میں صنعت وحرفت کو قوم کی سب سے بڑی ضرورت خیال کرتا ہوں۔'' (7)

ہم نے ان سنی کر دی۔اور آج ہماری غفلت نے اقبال کے خدشے کو امر واقعہ بنا دیا ہے۔اقبال جانتے تھے کہ قوت کے بغیر مذہب محض ایک فلسفہ بن کر رہ جاتا ہے یعنی کوئی ''کلیمی'' اُس وقت تک کارِ بے بنیاد ہی رہتی ہے جب تک اس کے ساتھ ''عصا'' نہ ہوا۔یعنی طاقت وقوت اور یہ طاقت وقوت صرف اور صرف علم کی بنیاد پر ہاتھ آتی ہے۔یقین کرنا چاہیے کہ جس لمحے مسلمانوں نے علم وایجاد کی دنیا میں سبقت حاصل کر لی، دنیا ان کی قیادت کو تسلیم کر لے گی اور دہشت گردی کی یہ عالمگیر جنگ ختم ہو جائے گی۔

☆☆☆

حواشی

1. اس المناک استدلال کا بہترین اظہار لطیف پیرائے میں علامہ اقبال نے پیام مشرق کی نظم ''قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور، میں کیا ہے۔

قسمت نامئہ سرمایہ دار و مزدور

غوغاے کارخانۂ آہنگری زمن
گلبانگِ ارغنونِ کلیسا ازانِ تو
نخلے کہ شہ خراج بروی نہد زمن
باغ بہشت و سدرہ و طوبا ازانِ تو

تلخابہ کہ دردِسر آرد ازانِ من
صہبائے پاکِ آدم و حوّا ازانِ تو
مرغابی و تدرو و کبوتر ازانِ من
ظلِّ ہما و شہپرِ عَنقا ازانِ تو
ایں خاک و آنچہ در شکمِ او ازانِ من
وزخاک تا بہ عرشِ معلّا ازانِ تو

2. خطبہ الہ آباد 1930ء میں اقبال کے اس موضوع پر بڑی تفصیل سے اظہار خیال کیا۔ اس خطبے میں اقبال کہتے ہیں:

"The truth is that Islam is not a Church. It is a state conceived as a contractual organism long before Rousseau ever thought of such a thing, and animated by an ethical ideal which regards man not as an earth-rooted creature, defined by this or that portion of the earth, but as a spiritual being understood in terms of a social mechanism, and possessing rights and duties as a living factor in that mechanism....I there fore demand the formation of a consolidated Muslim state in the best interests of India and Islam. For India it means security and peace resulting from an internal balance of power; for Islam an opportunity to rid itself of the stamp that Arabian Imperialism was forced to give it, to mobilise its law, its education, its culture, and to bring them into closer contact with its own original spirit and with the spirit of modern times."

Presidential Address Delivered at the Annual Session of the All-India Muslim Conference, 21st March, 1932, Speeches and statements of Iqbal.Compiled and edited by Latif Ahmad Sherwani (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 5th edition, 2009) page 12,13

3. عصر حاضر میں اس کی بہترین مثال ممتاز عالم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی اقبال فہمی کے حوالے سے پیش کی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر موصوف اپنے بیان اور استدلال میں علامہ اقبال کے حوالے اور اشعار کو بکثرت استعمال کرتے تھے، لیکن انہیں اقبال کی

ہر رائے اور ہر موقف حتیٰ کہ شعری اظہار کے سلیقے تک سے سخت اختلاف رہا۔ حال ہی میں شعبہ اقبالیات میں ''ڈاکٹر اسرار احمد کی اقبال فہمی کا توضیحی مطالعہ'' کے زیرِ عنوان ایم فل سطح کا مقالہ لکھا گیا۔ اس کے نتائج حد درجہ چشم کشا اور مجموعی طور پر علما کے اقبال کے حوالے سے طریقہ کار کو سمجھنے کے لیے ایک موثر حوالہ ہیں۔

4. Islam and Qadianism by Iqbal, Speeches and statements of Iqbal. Compiled and edited by Latif Ahmad Sherwani (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 5th edition, 2009) page 233,234

5. Statement urging the creation of a chair for Islamic research, published on 10th December, 1937 speeches and statement of Iqbal(Lahore: Iqbal academy Pakistan, 5th edition, 2009)page,297

6. بچوں کی تعلیم و تربیت، مقالات اقبال، مرتبہ عبدالواحد معینی (لاہور: آئینہ ادب، بار دوم، 1988ء) ص33

7. قومی زندگی، مقالات اقبال مرتبہ عبدالواحد معینی (لاہور: آئینہ ادب، بار دوم، 1988ء) ص85,86,98,99